© rasailojaraid.com

محترمہ فریدہ خاتون چشتی

"سالِ نسواں" اور ہم

امسال انجمنِ اقوامِ عالم کی کونسل نے ۱۹۷۵ء کو "سالِ نسواں" قرار دیا ہے۔
یہ خوشی کی بات ہے کہ پورے پونے دو ہزار سال میں سے ایک دن عورتوں کو بھی مل گیا ہے جس کی بنا پر عورتوں کے حقوق کی بازیابی کے لئے تگ و دو تیز تر کر دی گئی ہے۔ اب عورت نے تمام مراتب کو ترک کر کے اپنے لئے برابری کی بنیاد پر حقوق مانگے ہیں ——— لیکن سوال یہ ہے کہ عورت یہ حقوق کس سے طلب کر رہی ہے؟ کیا وہ باپ، بھائی اور خاوند سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے یا وہ مذہب اسلام سے ہٹ کر کوئی نیا طریقِ کار اپنانا پسند کرتی ہے اور ان جملہ حقوق و قیود سے، جنہیں دینِ اسلام نے مروج کر کے اسے گھر کی ملکہ بنایا ہے، آزاد ہو کر اپنی اس حیثیت کو بٹہ لگانا چاہتی ہے؟

اسی ضمن میں، میں مملکتِ خداداد پاکستان کے نگہبانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتی ہوں، جنہوں نے آئینِ پاکستان میں اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیتے ہوئے مسلمان کی تعریف واضح الفاظ میں کر دی ہے اور اس طرح پاکستان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمر میں وہ سنگ پیوست کر دیا گیا ہے جس کی بنا پر یہ مملکت معرض وجود میں آئی تھی، آج کی عورت جس برہنہ اور نیم برہنہ لباس میں آج سرگرداں نظر آتی ہے، وہ دینِ اسلام کے کس اصول کی بنیاد پر ایسا کر رہی ہے؟ اگرچہ رسم پردہ کے حق میں اور خلاف بہت کچھ لکھا جا چکا اور لکھا جا رہا ہے۔ مگر اکثر و بیشتر یہ دیکھ کر مایوسی ہوتی ہے کہ موافقت یا مخالفت میں جو دلائل دیئے جاتے ہیں ان میں جوش زیادہ اور ہوش بہت کم ہوتا ہے۔ دونوں طرف کے دلائل ہیں اپنی اپنی جگہ خواہ کتنا ہی وزن کیوں نہ ہو، مگر یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ پردہ کے حامی اور مخالف دونوں بسا اوقات اعتدال کی راہ سے دور جا پڑتے ہیں۔

کسی معاملہ کے حسن و قبح کو کسی خاص نقطۂ نظر ہی سے جانچا اور کسی اصول ہی پر پرکھا جا سکتا ہے۔ نقطۂ نظر سے ہٹ کر اور اصول کو متعین کئے بغیر جو گفتگو بھی کی جاتی ہے، اس کا نتیجہ سوائے افراتفری کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ پردہ جو ہماری معاشرت اور دینِ اسلام کا ایک قدیم نشان ہے، اس کی بنیاد کیا ہے؟

آدمؑ و حوّاؑ سے لے کر مرد اور عورت دونوں چلے آ رہے ہیں۔ عورت کے بغیر مرد اور مرد کے بغیر عورت کا تصور بھی ممکن نہیں۔ گو دونوں انسان ہی ہیں اور دونوں کا خمیر ایک ہی مٹی سے اٹھایا گیا ہے، تاہم دونوں کی جسمانی ساخت، فطرت، فرائض اور بعض جبلّی فضائل میں واضح فرق ہے۔ یہ فرق و تفاوت، مرد اور عورت دونوں نے اپنی مرضی سے پیدا نہیں کیا بلکہ ان دونوں کو عدم سے وجود میں لانے والی بالاتر طاقت یعنی خدا کی مشیت اور حکمت کا نتیجہ ہے۔ مرد اور عورت کی خلقت میں جو صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں، وہ نمایاں طور پر مختلف ہیں۔ مرد چونکہ جسمانی طور پر سخت اور مشقت پسند واقع ہوا ہے اس کے فرائض بھی ایسے ہی سخت اور گراں بار ہیں۔ عورت جو جسمانی طور پر زیادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نرم و نازک ہے، اس کے روزمرہ کے کاموں میں بھی وہی نرمی اور نزاکت موجود ہے چنانچہ جہاں کہیں کسی مرد میں عورتوں جیسی خصلتیں پائی جائیں، ناپسندیدہ سمجھی جاتی ہیں اور جہاں کسی عورت میں مردوں جیسی آواز، چال ڈھال یا عادات نظر آئیں، تعجب ہوتا ہے یا نفرت!

صورت اور ذریعہ خواہ کچھ ہی ہو، ہمیشہ اور ہر جگہ مرد کا کام محنت و مشقت کرکے روزی کمانا ہے اور عورت کا کام مرد کی کمائی ہوئی روزی کو سلیقہ مندی سے خاوند پر، اپنی ذات اور اپنے بچوں پر استعمال کرنا ہے۔ یوں تو عورت اور مرد دونوں ایک دوسرے کی عزت اور عافیت کے خواہاں اور نگران ہیں، مگر فرائض منصبی کی دوگونہ تقسیم کے لحاظ سے یہ بات مرد کے حصے میں آتی ہے۔ کہ وہ نہ صرف باہر سے روزی کما کر لائے بلکہ عورت کے جسم، اس کی جان، اسکے مال اور اس کی عزت و آبرو کی بھی حفاظت کرے۔ اس کے مقابلے میں یہ عورت کا کام ہے کہ مرد کی گاڑھے پسینے کی کمائی کو اپنے گھر کی ضروریات پر اس طرح خرچ کرے کہ گھر امن و عافیت کا گہوارہ بنا رہے، اور دونوں کی اولاد، لڑکے ہوں یا لڑکیاں، مناسب تعلیم و تربیت، اخلاق اور ہنرمندی کے اوصاف سے مالامال ہوں۔ مرد کا میدانِ عمل، چند خاص امور کو چھوڑ کر، گھر سے باہر اور عورت کا دائرۂ کار اور فرائض گھر کی چار دیواری کے اندر ہیں۔ بہرحال اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ مرد شترِ بے مہار یا کسی جنگلی جانور کی طرح آزاد رہے، اور عورت کسی صیاد کے پنجرے کا پنچھی! ہرگز نہیں! گھر کے اندر اور باہر کچھ انسانی فرائض ہیں جو مرد اور عورت دونوں میں اس طرح تقسیم چلے آرہے ہیں کہ گھر سے باہر کی بیشتر باتیں مرد کے سپرد ہیں، اور گھر کے اندر اکثر امور عورت کے ذمہ ہیں۔ یہ تقسیم خلقی مجبوری کے تحت ہے تاہم اس میں باہمی خلوص، شفقت، محبت اور ہمدردی کا جذبہ بھی قدرتی طور پر کارفرما ہے۔

مرد، خاوند ہو کر بیوی کو روزی کمانے کے جھمیلوں میں نہیں ڈالنا چاہتا، بھائی ہو کر بہن کی عزت اور عافیت کی خاطر، اس کے ذمہ باہر کے فرائض نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگانا چاہتا ، بیٹا ہو کر ماں کا احترام اور جذبۂ برخورداری اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ماں کی خدمت کے طور پر اس کو رزق اور معاش کے لئے دربدر نہ پھرنے دے۔

اسی طرح عورت، بیوی ہو کر خاوند کی وفاداری سے خدمت کرنا چاہتی ہے، بہن ہو کر، گھر میں پابند رہ کر بھائی کی عزت قائم رکھنا چاہتی ہے۔ بیٹی ہو کر باپ کے زیر سایہ پروان چڑھنا چاہتی ہے اور ماں ہو کر بہو بیٹیوں کا ہاتھ بٹا کر بیٹے کے حق میں دعا کرنا چاہتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے، صورتِ اعتدال ہے جو عام حالات میں ہونی چاہیے۔ لیکن اس کے باوجود بعض ملکوں، قوموں، تہذیبوں اور معاشروں میں صورتِ حال اس سے نہ صرف مختلف بلکہ بالکل برعکس ہے۔ عورتیں اپنے اور اپنی اولاد کے لئے روزی کمانے کی خاطر گھر سے باہر محنت، مشقت کرنے پر مجبور رہیں۔ اور یہ صورتِ حال نہ صرف پسماندہ اور کم ترقی یافتہ ملکوں اور قوموں میں پائی جاتی ہے بلکہ بعض نام نہاد ترقی یافتہ ملکوں میں بھی دیکھی جاتی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب یا تو ان کی مخصوص تہذیب معاشرت اور رواج ہے یا وہاں کا تمدن اور اقتصادی حالات! بہرحال یہ ایک ایسی صورتِ حال ہے جس میں فساد ہی فساد ہے اور جو اکثر وہاں رونما ہوتی ہے جہاں قدرت کی طرف سے طے شدہ تقسیم کار سے چشم پوشی برت لی جاتی ہے۔

پردے کی ضرورت اور اہمیت ٹھیک سمجھ لینے کے لئے یہ بات ذہن نشین کر لینا بیحد ضروری ہے کہ عورت کی تمام تر ذمہ داریاں گھر کی چار دیواری کے اندر واقع ہوئی ہیں، کسی بڑے آدمی کا قول ہے کہ قوموں کی سیرت کی تشکیل ماں کی گود میں ہوتی ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ بچے کی پہلی درس گاہ ماں کی گود ہے پھر کس قدر بدنصیب ہیں وہ بچے جن کی مائیں معاشی مجبوری یا خالص آوارگی کے باعث گھر کی پابند نہیں رہ سکیں اور جن کا بیشتر وقت گھر سے باہر کٹتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی ماؤں کے بچے عموماً آزاد، آوارہ اور ان پڑھ رہ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو قوم اپنے بچوں کی مناسب تعلیم و تربیت سے غافل ہو جاتی ہے، ان کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔ اس کا دار و مدار مآل کار اس بات پر ہے کہ ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کو یہ ذہن نشین کرا دیا جائے کہ وہ مردوں کے فرائض ان کے سپرد کر کے اپنے فرائض کو پہچانیں اور ان کی ادائیگی کے لئے خود گھر سے باہر نکل کھڑا ہونا حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

آج کے سائنسی دور میں تعلیم نسواں عام ہے۔ عورتیں ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی نظر آتی ہیں، ہر ادارے اور ہر شعبے میں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے پر مصر ہیں۔ حتی کہ صنعت و حرفت میں بھی وہ پیش پیش رہنا چاہتی ہیں یہ جذبہ مسابقت اچھا ہے۔ لیکن اسی حد تک، جس حد تک وہ عورت کے مخصوص فرائض کی بجا آوری میں مدد دے سکتا ہے۔

جو عورتیں بیوگی، بیکسی یا کسی ایسی دوسری مجبوری کے تحت خود کمانے پر مجبور رہیں، وہ تو بہرحال مجبور ہیں۔ لیکن حیرت تو ان خواتین پر ہے جن کے گھر میں خدا کا دیا سب کچھ ہے، پھر بھی وہ شوقیہ اور ترقی پسندی کی رو میں ملازمت اختیار کر لیتی ہیں۔ ایسی خواتین کی گھریلو زندگی بڑی حد تک تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ گھر کا سارا انتظام خودسر ماؤں اور خود غرض نوکروں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ بچے ماں کی کڑی نگرانی اور شفقت سے محرومی کی بدولت اعلیٰ اخلاق اور تربیت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان کو راہِ راست پہ لانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ نوکر اور نوکرانیاں من مانی کرتی ہیں۔۔۔ گھر کی مالکہ اگر اتوار کی ایک چھٹی کرتی بھی ہے تو کسی پارٹی یا سینما میں گذر جاتی ہے۔ پھر کبھی شاپنگ، کبھی سہیلیوں کی دعوت، غرضیکہ اچھا بھلا گھر جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔

ان امور کو سامنے رکھا جائے تو عورت اور جوان لڑکی سے "گھر سے باہر فرائض کی انجام دہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب ایسا کوئی مسئلہ ہی نہیں تو موجودہ پروسے گئے اس کے فرائض منصبی میں حائل ہونے کا سوال ہی نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باقی رہتا۔ جیسا کہ وضاحت کی گئی ہے، اس کے تو تمام تر فرائض پہلے ہی گھر کے اندر بعض پردے ہیں ہیں۔

بہرحال، موجودہ پردہ جو برقعہ کی صورت میں مروج ہے، بڑی حد تک ہمارے ملک کے شہری تمدن کا خاصہ ہے۔ شہروں اور قصبوں کے باشندے تقریباً نوے فیصد اسی پر کاربند ہیں۔ مگر دیہات میں ۹۰ بز لوگوں کے لئے ایسا پردہ ناممکن ہے۔ عجیب بات ہے کہ اکثر و بیشتر وہ دیہاتی یا قصباتی عورتیں جو اپنے دیہات و قصبات میں مجبوراً یا عادتاً صرف دوپٹوں یا چادروں میں گھومتی پھرتی ہیں، شہر میں آکر خالصتہً رواج کے ماتحت برقعہ استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور شہری عورتیں دیہات وغیرہ میں جا کر اگر برقع کا رواجی پردہ نہ بھی استعمال کریں تو انہیں کوئی الجھن نہیں ہوتی اور نہ ہی دیکھنے والوں کو تعجب ہوتا ہے۔

پھر اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ شہروں میں بھی سیاہ ریشمی برقعے کے ذریعے جس پردے کا اہتمام کیا جاتا ہے، وہ زینت چھپانے کے لئے نہیں بلکہ زینت کو نمایاں اور دوبالا کرنے کے لئے ہوتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ اونچے گھرانوں کی بے پردہ لڑکیوں یا غریب طبقے کی سادہ اور میلی کچیلی مستورات کے مقابلے میں نام نہاد رواجی پردے والی خواتین اور لڑکیاں اپنی ناسمجھی سے زیادہ تکلیف میں پڑ گئیں۔

یہ تو ہے حقیقتِ حال لیکن مسلم خاتون کو اس کے مذہب نے، جو دینِ فطرت ہے، پردے کے باب میں بھی بے مہار نہیں چھوڑا۔ قرآنِ کریم نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو بھی، جو خود قرآن ہی کے ارشاد کے مطابق ساری امت کی ماؤں کا درجہ رکھتی ہیں، بے پردہ ہو جانے سے منع کیا ہے تو امت کی عام خواتین کو یہ کھلی چھٹی کس نے دے دی کہ وہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں پردہ اتار پھینکیں؟

قرآنِ مجید میں خطاب تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے خاص ہے مگر حکم عام ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں ۔ اپنی چادروں سے اپنے سینوں کو خوب ڈھانپیں ، اپنی زینت کو چھپائیں ، ماسوائے اس کے جو چھپ نہیں سکتی ۔

جب کسی غیر محرم سے گفتگو کی نوبت آئے تو اپنے لب و لہجہ میں ایسی نزاکت اور دل کشی پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں کہ غیر محرم مخاطب کے دل میں فاسد اور شیطانی خیالات پیدا ہو جائیں ۔

یہ ہے روح اسلامی پردے کی ۔ جس کا دار و مدار خوفِ خدا ، تقویٰ جذبات و خیالات کی پاکیزگی اور شرم و حیا پر ہے ۔ اگر یہ دولت میسر ہے تو چادر برقع غرضیکہ پردے کے کپڑے کی تراش خراش خواہ کچھ ہی ہو ، (لیکن ایسی نہ ہو کہ جسم کو چھپانے کے بجائے اس کے نشیب و فراز کو اور زیادہ اجاگر کرے) پردہ ہو سکتا ہے اور ایسا پردہ نہ گھر اور باہر کے کسی کام میں بھی مخل نہیں ہو سکتا ۔ لیکن جب نگاہ اور دل کا پردہ حاصل نہ ہو ، تو ہزار پردوں میں بھی شیطان پیچھا نہیں چھوڑتا ۔ یہی وجہ ہے کہ اوباش لڑکیاں رسمی اور دکھاوے کے پردے کے باوجود بھی اپنی اور اپنے خاندان کی رسوائی کا باعث بن کر رہتی ہیں ۔

لہٰذا عورت کے لفظی معنے ہی پردے والی شے کے ہیں ۔ اور جس حد تک حالات اجازت دیں ، حتی الوسع مکمل پردہ ، جس میں چہرے کا پردہ یقیناً شامل ہے ، کرنا چاہیئے ۔ اور ضروری نہیں کہ ایسا پردہ مناسب اور ضروری فرائض میں حائل ہو سکے ۔ اندریں حالات " سالِ نسواں " میں چاہیئے تو یہ تھا کہ عورت ایک مثالی عورت بن کر اچھی ماں ، بہن اور بیوی ثابت ہوتی ۔ مگر افسوس کہ ہزاروں برس گزر جانے کے باوجود عورت محض ایک کھیل تماشہ بنکر رہ گئی ہے اور ذلت و رسوائی کے گہرے غار کی طرف رواں دواں ہے ۔ خدا جانے عورت یہ کیوں بھول چکی ہے کہ انبیائے کرام ، صحابہؓ اور اولیا کو بھی اسی نے جنم دیا اور اسی کے ہاتھ میں قوموں کی تقدیر [illegible] رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے بھی "جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے" کے الفاظ سے عورت کی بےحد عزت افزائی فرمائی ہے۔ پھر نہ جانے آج کی عورت کیوں، نہ صرف قہرِ خداوندی کو دعوت دے رہی ہے بلکہ وہ اسی تگ و دو میں ہے کہ کسی نہ کسی طرح عورت ایک زہریلی ناگن بن کر معاشرے کی تباہی و بربادی کا ذمہ خود مول لے۔

پس عورت کو چاہیئے کہ وہ اپنے فرائضِ منصبی کو پہچانتے ہوئے نہ صرف اپنے تئیں اسلامی سانچے میں ڈھالے بلکہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت صحیح اسلامی خطوط پر کر کے دین و دنیا میں فلاح حاصل کرے۔

بقیہ تصریحات

...ولاھم یذکرون "
کہ ہم اپنے نافرمانوں پر سال میں کبھی ایک مرتبہ اور کبھی دو مرتبہ اپنے عذاب نازل کرتے ہیں تاکہ انکی آنکھیں کھل جائیں اور وہ راہِ راست پر آجائیں "

... اور جب کوئی قوم ان کچوکوں کے باوجود راہِ راست پر گامزن نہیں ہوتی تو پھر عذابِ اصغر کے بعد عذابِ اکبر اس کا نصیبا بن جاتا ہے۔

ہم قرآنِ مجید کی ان واضح تعلیمات اور ہادیٔ برحق ؐ کے صریح ارشادات کے ہوتے ہوئے بھی اس بات کو سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ طوفانوں اور سیلابوں کی روک کے لئے صرف دریاؤں کے پشتے اور بند باندھنے کافی نہیں۔ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی بداعمالیوں، بدکرداریوں، جرائم اور گناہوں کے سامنے بند باندھیں کہ جب تک ہم ان پر روک نہیں لگاتے، کائنات کی کوئی طاقت اپنی تمام تدابیر کے باوجود، ان کی راہ میں روک نہیں بن سکتی۔

آئیے! ہم اس المناک اور رنج دِہ صورتِ حالات میں اپنے رب کی طرف رجوع کریں، اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کریں تاکہ اس سے بڑی تباہیاں اور بربادیاں ہمیں اپنی لپیٹ میں نہ لے سکیں۔ ••

© rasailojaraid.com